بانی: حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ
قدس اللّٰہ سِرّہٗ السّعید مسند نشین رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ رحیمیہ لاہور

مدیرِ اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابع

مجلس ادارت

سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی
مدیر: محمد عباس شاد

- درسِ قرآن
- درسِ حدیث
- خطبات و بیانات
- نصیحت آموز حکایات
- اخلاقیات
- بچوں اور خواتین کا کالم
- رفتارِ کار
- دینی مسائل

اداریہ

مذہبی جماعتوں کی ناکامی کے اسباب

میل ملاپ معدوم ہوگیا اور یادیں رہ گئیں

''بھائی مولانا''

جذبے نہ مٹ سکے

نومبر 2014ء / محرم الحرام 1436ھ – جلد نمبر 6، شمارہ نمبر 11 – قیمت فی شمارہ: مبلغ 20 روپے – سالانہ ممبر شپ: مبلغ 200 روپے – تین سالہ ممبر شپ: مبلغ 500 روپے

ارشادِ گرامی حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ

مسند نشینِ ثانی
خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رائے پوریؒ کو فرمایا کہ: ''اگر کوئی شخص (مسلم) لیگ (اور) کانگرس کے متعلق بحث میں پڑا کرے تو میرا خیال ہے کہ تم اس میں بحث نہ کیا کرو۔ کیوں کہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں کوئی شخص فی زمانہ سمجھانے سے نہیں سمجھتا۔ چناں چہ میر صاحب (میر آلِ علی صاحب ٹرانسپورٹر) کو میں نے بھی کئی دفعہ کہا (اور ہندو مسلم اتحاد کے بارے میں سمجھایا)، مگر انھوں نے ہمیشہ یہی فرمایا کہ ''مجھے سمجھ میں نہیں آتا۔'' مگر جب موٹر لاریوں پر (حکومت کی) ایک سکیم کے تحت زد پڑتی نظر آئی تو تمام ہندو مسلمان موٹر والوں نے ایک مشترکہ یونین بنائی اور میر صاحب کے سمجھ میں آ گیا کہ اس معاملے میں ہندو مسلم اتحاد ہوسکتا ہے۔ مگر اونچے سیاسی معاملات سے انھیں دلچسپی نہ ہونے کے باعث وہاں ہندو مسلم اتحاد ان کی سمجھ میں نہ آسکا۔ لہٰذا تم بھی ایسے معاملات میں میری طرح یہی کہہ دیا کرو کہ ہم زیادہ نہیں سمجھتے۔ کیوں کہ بحث سے کوئی فائدہ نہیں۔ جو سمجھتا ہے، واقعات سے سمجھتا ہے۔''

نیز فرمایا کہ: ''ملک (ہندوستان) کے شاید ٹکڑے ہوجائیں، کیوں کہ ابھی سے انگریز، ہندو مسلم کے علاوہ کئی قوموں کو کھڑا کرنے کے درپے ہے اور مسلمانوں میں بھی مختلف قوموں کی بنا پر کئی ٹکڑے ہوسکتے ہیں۔ کیوں کہ ہر قوم مسلمانوں میں بھی دوسری (قوم) کو ذلیل سمجھتی ہے اور چاہتی ہے کہ ہمارا اقتدار ان پر رہے۔ یہی چیز ٹکڑے ٹکڑے بننے کا موجب ہوجائے گی۔''

(مجلس 4/ذی الحجہ 1365ھ/ 30/اکتوبر 1946ء، بروز بدھ۔ رائپور) (ارشاداتِ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص:96-195۔ طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جاسکتا ہے۔

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ)

رحیمیہ ہاؤس، 33/A، کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org

کراچی کیمپس
رحیمیہ ہاؤس، A.16، موریہ خان سوسائٹی، عقب سٹار گیٹ نزد ائیرپورٹ، شاہراہ فیصل، کراچی
0092-021-34600000 , 021-34600001

راولپنڈی کیمپس
رحیمیہ ہاؤس، N.A-7، سیونتھ روڈ سیٹلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی
0092-51-4581357-58

ملتان کیمپس
رحیمیہ ہاؤس 30/A، سٹریٹ نمبر 2، خان کالونی چونگی نمبر 7، ایل ایم کیو روڈ، ملتان
0092-61-6212021

سکھر کیمپس
فلیٹ نمبر 111, 1st فلور، رائل اپارٹمنٹ ریس کورس روڈ، سکھر
0092-71-5615185

www.rahimia.org

درسِ قرآن

تشریح: حضرت الامام شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

صبغة الله ؛ اللہ کا رنگ

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ۝ (138:2) (ہم نے قبول کرلیا رنگ اللہ کا اور کس کا رنگ بہتر ہے اللہ کے رنگ سے اور ہم اسی کی بندگی کرتے ہیں۔)

ایمان والوں کو چاہیے کہ اسی قدر پر قناعت کریں، بلکہ اس مرتبے سے اوپر کی طرف ترقی ڈھونڈیں اور کہیں کہ ہم نے اپنے آپ کو اس کے رنگ میں رنگین کرلیا۔ جس طرح کہ رنگ کپڑے کے ظاہر و باطن میں داخل ہوجاتا ہے اور اس کی وجہ سے وہ کپڑا' دوسرے کپڑوں سے ممتاز ہوجاتا ہے، اسی طرح توحیدِ الٰہی نے ہمارے رگ و پوست میں آکر ہمارے اعضا کو قبضے میں کرلیا۔

رنگین کرنے میں خدا تعالیٰ سے زیادہ اچھا کون ہے۔ اس لیے کہ مخلوقات کا رنگ نہ احاطہ کرتا ہے، نہ باقی رہتا ہے۔ اس لیے کہ اگر ظاہری رنگ ہے تو صرف جسم کے چمڑے پر ہے اور اگر باطنی رنگ ہے تو بھی قوائے باطنہ میں سے ایک قوت کے ساتھ مخصوص ہے۔ جیسے فلسفے کا رنگ صرف قوتِ عقلیہ پر ہے اور بدعت کا رنگ صرف قوت وہمیہ پر ہے، جو کہ شیطان کا مرکب ہے۔ منسوخ ملتوں کا رنگ صرف عادت و رسم پر ہے۔ اور محبتِ دنیا کا رنگ صرف قوتِ شہویہ پر ہے۔ حکومت و سلطنت کا رنگ صرف قوتِ غضبیہ پر ہے۔ یہ تمام رنگ ادنیٰ سے دھکے سے جو کہ اس قوم کو پہنچتا ہے، زائل ہوجاتے ہیں۔ اور دوسرے رنگ کے غلبے کی وجہ سے مغلوب ہوجاتے ہیں۔ بخلاف اس خدائی رنگ کے کہ نہ تو شبہات، حوادث اور مصیبتوں کے پانی سے متغیر ہوتا ہے، نہ کوئی اور رنگ اس پر غالب آتا ہے۔ جیسا کہ رنگ ریزوں کے رنگنے والے رنگ' پانی، سورج، دھوئیں اور غبار کی وجہ سے متغیر ہوجاتے ہیں اور انھیں دوسرے رنگ بھی بدل سکتے ہیں۔ اور تخلیقی رنگ جو کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے (عنایت کیے گئے) ہیں، جیسے یاقوت کی سرخی، مرجان کی زردی، سنگِ موسیٰ کی سیاہی، سنگِ مرمر کی سفیدی اور اسی قیاس پر نباتات، پھلوں، پھولوں، گلستانوں اور چرنے اُڑنے والے حیوانات کے رنگ نہیں بدلتے۔

یہ خدا تعالیٰ کا رنگ جسے ایمان والوں کو اختیار کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے، کیا چیز ہے؟ سب سے زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ رنگ اللہ تعالیٰ کے حضور سرِ تسلیم خم کرنا اور اطاعت کرنا اور اس کے اوامر و نواہی پر مطمئن ہونا ہے، جو کہ اس کے ہر حکم میں پوری خوشی اور رغبت کے ساتھ تعمیل کرنے کا باعث ہوتا ہے۔ اور تعصب، سخن پروری اور اپنے آبا و اجداد کی رسم کے ساتھ اپنی وضع اور آئین کی حفاظت کا کوئی رنگ یا مشقتیں یا خلافِ طبع کو قبول کرنے سے کاہلی اور غیر مانوس چیزوں کی گرانی باقی نہیں چھوڑتا۔ اور یہ ملکہ ایمان سے جدا ہے اور ورزش اور کمال ایمان کے سبب سے حاصل ہوتا ہے۔ اور طاعتیں اور اچھی عادتیں جیسے خوف، حیا، محبت، شوق، انکساری، عاجزی، دوام حضور، نگرانی، پرہیزگاری اور تقویٰ سب اس کے آثار میں سے ہیں۔ اور قلب سے قالب تک محیط ہوجاتا ہے۔ اسی لیے اسے رنگ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب کوئی اس حد تک کسی کی مرضی کے تابع ہوجاتا ہے تو کہتے ہیں کہ فلاں تو فلاں کے رنگ میں رنگا گیا ہے۔

درسِ حدیث

تشریح: حضرت مولانا محمد بدرِ عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

انبیا علیہم السلام کا آئین حیات

عن ابن مسعودؓ قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: "أيّها النّاس! ليس مِن شيءٍ يُقرّبكم إلى الجنّة و يُباعدكم من النّار، إلاّ قد امرتُكم به. و ليس من شيءٍ يقرّبكم من النّار، و يباعدكم من الجنّة، إلاّ قد نهيتُكم عنه." (شرح السنة و البيهقى فى شعب الإيمان)

(حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے راویت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لوگو! اب ایسی کوئی چیز بھی باقی نہیں رہی، جو تم کو جنت سے قریب کردے اور دوزخ سے دور کردے، مگر ان سب کا میں تمھیں حکم دے چکا ہوں۔ اور اسی طرح نہ ایسی کوئی چیز رہ گئی ہے، جو دوزخ سے تمھیں قریب کردے اور جنت سے دور، مگر میں تمھیں اس سے بھی روک چکا ہوں۔)

علومِ نبوت کی پہلی خصوصیت حقوقِ انسانیت کا تحفظ اور مصالحِ عالم کی رعایت ہے۔ انبیا علیہم السلام حکومت و سیاست کی اعلیٰ سے اعلیٰ صفات کے حامل ہوتے ہیں۔ ان کے پورے کے پورے آئین کا رشتہ، خواہ وہ دُنیوی ہو یا اُخروی، ہدایتِ ربانی سے کٹ نہیں سکتا۔ جب دنیا میں ہر کمزور کی سیاست یہ ہے کہ وہ کسی طاقت ور کی پناہ میں رہے تو انبیا علیہم السلام کے لیے کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنے عہدِ خلافت میں خود اپنی حکومت کی اصل طاقت ہی کو فراموش کر بیٹھیں۔ انبیا علیہم السلام کے پیشِ نظر ہمیشہ یہ بات رہتی ہے کہ اُن کے آئین میں ایک دفعہ بھی ایسی نہ ہو جو دنیا کے کسی بھی خطے (انسانوں) کے حق میں مضرت رساں ہو۔ کیوں کہ وہ حقوقِ انسانیت کے سب سے بڑے محافظ بنا کر بھیجے جاتے ہیں۔ اور خلافتِ الٰہیہ کا تقاضا بھی یہی ہے۔ اس لیے ان کی حکومت کا بڑا مقصد بھی یہی ہوتا ہے۔ انسانوں کے بنائے ہوئے نظام اور انبیاؑ کے لائے ہوئے نظام میں فرق یہ ہے کہ انسانوں کے بنائے ہوئے نظام میں اگر کوئی جُز اہم سمجھا گیا ہے تو وہ صرف طرفین کی رضامندی ہے۔ اگر طرفین کسی معاملے پر راضی ہوجاتے ہیں، تو اس معاملے کا اثر خواہ نظامِ عالم پر کچھ بھی ہو اور حقوقِ انسانیت اس کی بدولت کتنے ہی پامال ہوتے نظر آئیں، مگر مادی قانون میں وہ جائز تصور کیا جاتا ہے۔ اسی بنا پر سود کا لین دین جائز ہی نہیں، بلکہ ایک بڑے طبقے کی نظر میں ترقی کی سب سے بڑی شاہراہ سمجھا گیا ہے۔ لیکن انبیا علیہم السلام کی شریعت میں طرفین کی رضامندی بھی گو اہم جز ہے، مگر صرف اتنی بات کسی عقد (معاملے) کے لیے وجہ جواز نہیں بن سکتی۔ وہ اس پر بھی نظر رکھتے ہیں کہ اس معاملے کا اثر بقیہ عالم (اجتماعیت) اور حقوقِ انسانیت پر کیا پڑتا ہے، اس لیے اسلام طرفین کی رضامندی کے باوجود سود کی اجازت نہیں دیتا۔

انسانوں کے بنائے ہوئے نظام کے نزدیک دولت جمع کرنے کا اصول دولت کے آمد و خرچ کا صحیح علم حاصل کرنا ہے۔ جب کہ انبیا علیہم السلام کی معاشیات میں اس کے ساتھ آمد و صَرف میں معاشرے کی فلاح و بہبود اور ترقی کا بھی پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ یعنی مال کی آمد میں کسی انسان پر ظلم تو نہیں کیا گیا اور وہی مال کسی پر ظلم کے لیے تو صَرف نہیں ہوا۔

اداریہ

مذہبی جماعتوں کی ناکامی کے اسباب

پاکستان میں جہاں سیاسی، اصلاحی اور نام نہاد انقلابی جماعتیں سرگرمِ عمل ہیں، وہاں دینی اور مذہبی جماعتیں بھی اپنا ایک وجود رکھتی ہیں۔ دین اسلام ایک ایسا مذہب ہے، جو شریعت، طریقت اور سیاست کے جامع نظریے کا حامل، ظلم واستحصال کا مخالف اور تمام مظلوم انسانیت کا ترجمان ہے، لیکن پاکستان میں مذہبی جماعتوں کی ناکامی اُن کے وجود پر ایک بڑا سوالیہ نشان ہے۔ جس کا تجزیہ کرنا انتہائی ضروری ہے۔ دنیا بھر میں جب بھی کوئی مذہبی قیادت ناکام ہوئی ہے، تو اس کے مندرجہ ذیل چند بڑی وجوہات اور اسباب ہوتے ہیں:

پہلی وجہ ان کا مذہب کے بارے میں محدود اور جامد تصور ہوتا ہے۔ وہ اپنی تنگ نظری کے باعث ایک نظام اور سسٹم کی بجائے چند رسومات تک محدود ہو جاتی ہیں۔ وہ دین کے پورے نظام کی دعوت کے بجائے مروّجہ نظام کے اندر چند مذہبی قوانین کے نفاذ کی جدوجہد تک اپنے آپ کو محدود کر لیتی ہیں۔

دوسری وجہ اس طبقے کا سب سے بڑا المیہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی سیاسی بے شعوری ایک فتنے کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ بقول حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ: ''کسی دور کا سب سے بڑا فتنہ اُس دور کے علما کی سیاسی شعور سے بیگانگی ہوتی ہے۔'' یہ اپنی غیر سیاسی سوچ کے باعث آلہ کار قوتوں کے ہاتھوں کھلونا بن جاتے ہیں۔

تیسری وجہ سرمایہ دارانہ نظام سے وقتی اور عارضی مفادات کے عوض اُن کے اس سے تعاونی تعلقات استوار ہو جاتے ہیں۔ حال آں کہ قرآن حکیم کا ارشاد ہے: ''ظلم اور گناہ کے کاموں میں مددگار نہ بنو۔'' (2:5) مفاد پرست اور سازشی عناصر اسلامائزیشن کے نام پر اپنے مفادات کے تحفظ کی حکمتِ عملی میں مذہبی جماعتوں کو بطور آلہ کار استعمال کر لیتے ہیں۔ اور عالمی سامراج ایسی جماعتوں کی قیادت کا ''وائٹ ہاؤس'' میں سرکاری مہمانوں کے طور پر استقبال کرتا ہے۔

چوتھی وجہ عصری شعور اور تقاضوں سے عدم واقفیت اور بیگانگی کے باعث یہ جماعتیں معاشرتی تنہائی کا شکار ہو جاتی ہیں۔ حال آں کہ دینی قیادت کا احوالِ زمانہ سے واقفیت ایک اہم اصول رہا ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''مؤمن کی بصیرت سے ڈرو، وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔'' (ترمذی)

پانچویں وجہ ان کا فرقہ وارانہ کردار ہوتا ہے۔ حقیقی مذہب کی پیروکار جماعتیں اپنے ورکرز اور کارکنوں کو رواداری، برداشت، حوصلے، صبر و تحمل اور احترامِ انسانیت کا سبق سکھاتی ہیں، لیکن فرقہ وارانہ اور مسخ شدہ مذہبی ذہنیت اپنا قلم تعصب کی سیاہی میں ڈبو کر لکھتی ہے۔ اور فضا کو فرقہ وارانہ بنا کر قوم کو تقسیم در تقسیم کے عمل سے دوچار کر دیتی ہے۔ فکری اور عملی وحدت جو قوموں کی کامیابی کے لیے ضروری ہوتی ہے، معاشرے سے ناپید ہو جاتی ہے۔

چھٹی وجہ ان کا متشددانہ طرزِ عمل ہوتا ہے۔ اسلام رحم دلی اور محبت کا دین ہے۔ دینِ حکمت اپنے مخالفین کو حکمت وبصیرت سے اپنے قریب لاتا ہے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے: ''لوگوں کو اپنے ربّ کی طرف حکمت اور بہتر نصیحت سے بلاؤ۔'' (125:16) لیکن متشددانہ ذہنیت کے حامل طبقے معاشرے کو اپنے غیر ذمہ دارانہ طرزِ عمل سے دشمن بنا لیتے ہیں۔ تشدد سے کوئی نظام انسانی دلوں میں اپنی جگہ نہیں بنا سکتا، بلکہ ہدایت کے متلاشی دلوں کے دروازے اس پر بند ہو جاتے ہیں۔

ساتویں وجہ ان جماعتوں میں عدمِ مرکزیت ہوتی ہے۔ دین اسلام جس نے عربوں کے قبائلی معاشرے کو وحدت اور مرکزیت دی، لیکن یہ جماعتیں معاشروں کو اپنے اپنے گروہوں میں تقسیم کر کے فرقے قائم کر لیتی ہیں۔ اور اپنے فرقے کے حق ہونے پر اصرار کرنے لگتی ہیں۔ حال آں کہ قرآن کہتا ہے: ''ان لوگوں نے دین میں تقسیم پیدا کی اور فرقوں میں بٹ گئے۔ اور ہر فرقہ جو اس کے پاس ہے، اس پر خوش ہے۔'' (32:30) ''اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔'' (103:3) نیز قرآن حکیم میں ارشاد ہے: ''آپس میں نہ جھگڑو۔ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمھاری ہوا اُکھڑ جائے گی۔'' (46:8)

آٹھویں وجہ اپنے ذاتی اور گروہی مفادات کے لیے مذہب کا سیاسی استعمال ہوتا ہے۔ دین اسلام ہمارے فکری ونظریاتی وجود کا ایک ناگزیر حصہ ہے۔ اور اسلامی ممالک کے ہر مسلمان کی خواہش اسلامی نظام کا نفاذ ہوتا ہے۔ اس جذبے سے کوئی مثبت مقصد حاصل کرنے کی بجائے مفاد پرست جماعتوں کے لیڈر ہمیشہ اسلام کو نعرے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ جو اسلام جیسے پاکیزہ مذہب کے حق میں ایک گھناؤنا عمل ہے۔ قرآن نے ایسے ہی موقع کے لیے کہا ہے: ''اور میری آیات کو تھوڑے سے دنیاوی مفاد کے عوض نہ بیچو۔ اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔'' (41:2)

نویں وجہ دوعملی، دوغلا پن اور منافقت ہوتی ہے۔ جس گروہ اور جماعت کے جتنے بڑے دعوے ہوں، لوگ اس سے اتنی ہی بڑی توقعات وابستہ کر لیتے ہیں۔ بدقسمتی سے دنیا بھر کی مذہبی جماعتیں مذہب کے نام پر بہت بلند بانگ دعوے کرتی ہیں، لیکن وقت آنے پر ان کھوکھلے دعوؤں کی قلعی کھل جاتی ہے، جس کے باعث لوگوں میں ان جماعتوں کے بارے میں مایوسی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور قرآن حکیم ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرماتا ہے: ''تم وہ کیوں کہتے ہو، جو تم کرتے نہیں ہو۔'' (2:61)

دسویں وجہ مذہبی اور علمی اجارہ داری ہوتی ہے۔ ایسی جماعتیں پیشوائیت اور مذہبی اجارہ داری (brahmanism) کا ایک ایسا خودساختہ نظام کھڑا کر لیتی ہیں، جس کی وجہ سے معاشرے پر مذہب کے نام پر ایک مخصوص طبقے کے مفادات کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ وہ مذہب کی روح پر تعلیم وتربیت کو نظر انداز کر کے خداپرستی اور انسان دوستی کی بجائے ذاتی اور سِفلی مفادات کی اسیر ہو کر رہ جاتی ہیں۔ جس کے بارے میں قرآن حکیم کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! بہت سے مذہبی عالم اور درویش لوگوں کا ناحق مال کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔'' (34:9)

ضرورت اس امر کی ہے کہ روایتی مذہبی جماعتوں سے ہٹ کر پاکستان میں دین اسلام کے عادلانہ نظامِ حکومت وسیاست کا شعور پیدا کیا جائے۔ دین اسلام کے اجتماعی اصولوں پر خداترس اور انسان دوست جماعت قائم کی جائے، جو انسانیت کو جبر و استحصال کے نظام سے نجات دلا کر اسلام کے دامن رحمت سے وابستہ کر دے۔ (مدیر)

خطبات و بیانات

افادات: حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزادرائے پوری دامت برکاتہم العالیہ
جانشین حضرت رائے پوریؒ رابع و مسند نشین خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مشاجراتِ صحابہ (رضی اللہ عنہم) کی حقیقت اور تاریخی شعور

حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزادرائے پوری دامت برکاتہم العالیہ نے 23/نومبر 2012ء/ 8/محرم الحرام 1434ھ کو ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ کے مین کیمپس لاہور میں نمازِ جمعہ کے شرکا سے خطاب کرتے ہوئے قرآن حکیم کی آیت يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ (8:5) کے تناظر میں ارشاد فرمایا:

''معزز دوستو! دین اسلام انسانی معاشرے کی تعمیر و ترقی کے لیے جس بنیادی نظریۂ فکر و عمل کی نشان دہی کرتا ہے، وہ بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب تمام انسانیت کے لیے عدل و انصاف کا نظام قائم کرنا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اسی اصول پر تربیت کی ہے اور تمام صحابہؓ نے اجتماعی طور پر اس نظریے کو نہ صرف سیکھا، سمجھا، دل و دماغ میں پیوست اور راسخ کیا، بلکہ اس کا عملی نظام قائم کرنے کے لیے جانیں تک قربان کر دیں۔ اُن قربانی دینے والوں میں ایسے اولوالعزم افراد بھی گزرے ہیں کہ جنھوں نے مشکل حالات میں بھی دین کے غلبے کا اجتماعی نقطۂ نظر پیشِ نظر رکھا۔

حضرت امام حسینؓ بھی انھی لوگوں میں سے ہیں کہ جنھوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علی المرتضیٰؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت امیر معاویہؓ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بعد دین اسلام کی تعلیمات کے سچے نظریے کے فروغ کے لیے عظیم جدوجہد کی۔ نبی اکرمؐ نے حضرات حسنؓ و حسینؓ کے بارے میں فرمایا کہ: ''سیّدا شباب اهل الجنّة الحَسَن و الحُسَين.'' (جنت کے نوجوانوں کے سردار حسنؓ اور حسینؓ ہیں۔) یعنی اگلے دور کے نوجوانوں کی قیادت یہ حضرات کریں گے۔ حضرت امام حسینؓ کی قربانی ایک عظیم قربانی ہے۔ اور یہ قربانی جماعتِ صحابہؓ کی عظیم اجتماعیت کا حصہ ہے۔ یہ عجیب المیہ ہے کہ آج حضرت امام حسینؓ کی قربانی اور جدوجہد سے عصری حوالے سے شعور لے کر اجتماعیت کے لیے اپنی ذات اور مفادات کو قربان کر کے سبق سیکھنے کی بجائے اُن کی جدوجہد اور قربانی کو فرقہ واریت کی آبیاری کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

دنیا میں کون سی جماعت ہے، جس کے داخلی نظام میں اختلافات نہ ہوں؟ جہاں اختلاف رائے نہ ہو اور جبر کے بل بوتے پر اتفاق رائے کا ڈھونگ رچایا جائے، وہ بہتر سوسائٹی نہیں ہوتی۔ اختلاف رائے سے فکر و نظر کے کئی مفید گوشے اور کام کرنے کے کئی انداز و اسلوب سامنے آتے ہیں۔ صحت مند اختلاف جیتے جاگتے انسانوں کے زندہ معاشرے کا حصہ ہوتا ہے۔ اس طرح کا اختلاف بہت سے امور کی انجام دہی میں صحابہ کرامؓ کے درمیان بھی ہوا۔ یہ اختلاف صحابہؓ کے بعد تابعین میں بھی ہوا۔ دنیا کے ہر ترقی یافتہ معاشرے کی انسانی تاریخ اٹھا کر دیکھی جائے تو ہر دور میں جماعتوں کے درمیان اختلافات ہوا کرتے ہیں۔ اختلاف رائے کے ذریعے امور کی انجام دہی کے مختلف پہلوؤں کو پیش نظر رکھ کر درست حکمتِ عملی کا طریقۂ کار وضع کیا جاتا ہے۔ اس اختلاف رائے سے انسان خوب سے خوب تر کی طرف بڑھتا ہے۔ ہم برطانیہ کے پچھلے ہزار ڈیڑھ ہزار سال کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں تو وہاں کے حکمران طبقوں کے اختلافات کی ایک پوری تاریخ ہے۔ اسی طرح امریکا کے دو سو سال کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں، فرانس، جرمنی، روس اور چین کی ہزار سال کی تاریخ اٹھائیں۔ سیاسیات، یعنی اجتماعی نقطۂ نگاہ سے سوسائٹی کی تشکیل میں اختلاف رائے بہتر سے بہتر کی تلاش کے لیے ممد و معاون بنتا ہے۔

عجیب بات ہے کہ دنیا کی تمام مہذب اقوام کے ہاں یہ اختلاف رائے رہا ہے، لیکن اس اختلاف کی بنیاد پر کسی کو پارٹی کے دائرے سے خارج سمجھ کر ایک دوسرے پر تبرا بھیجنے کا عمل کبھی نہیں ہوا۔ اور اگر مسلمان معاشروں میں اختلافات موجود ہیں تو بات کا بتنگڑ بنا کر فرقہ واریت کی آب یاری کی جاتی ہے، جو بہت خطرناک عمل ہے۔ یہ رویہ نظریے اور فکر کو مضمحل کر دیتا ہے اور درست تجزیے اور صحیح سیاسی شعور سے محروم کر دیتا ہے۔

دنیا بھر کے مہذب معاشروں میں نظریے کی حفاظت کرنے والی ایک پارٹی ہوتی ہے۔ وہ جس نظریے پر تشکیل پذیر ہوتی ہے' اس کے مطابق جدوجہد اور کوشش کرتی ہے۔ پھر جب وہ جماعت اقتدار میں آتی ہے تو اپنی حکومت کے لیے ایک پارلیمانی اور حکومتی پارٹی تشکیل دیتی ہے۔ حکومت کے اپنے عملی اور معروضی تقاضے ہوتے ہیں۔ نظم و ضبط اور ڈسپلن کے لیے قدیم تربیت یافتہ مہارت رکھنے والے افراد کی ضرورت ہوتی ہے، جو اپنا کام سرانجام دیں۔ جب کہ پارٹی کے نظریے کی دعوت اور فروغ کا اپنا انداز و اسلوب، ضرورت اور معروضیت ہوتی ہے۔ پارٹی کے نظریے کو جب تمام اقوام اور معاشروں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور انھیں دعوت دی جاتی ہے تو دعوت قبول کرنے والے تمام افراد کے ساتھ یکساں سلوک کیا جاتا ہے۔ وہ تمام رفقا ہوتے ہیں، ان میں کوئی چھوٹے بڑے کی تفریق نہیں ہوتی۔ کوئی فرد پارٹی میں آج آیا ہے یا دس سال پہلے آیا ہے' دعوت کے اسلوب کے تحت، نظریے کے سیکھنے کے تناظر میں سب لوگ برابر ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ جو پانچ ہجری میں آکر مسلمان ہوئے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و چاہت اور دعوت کے اصول پر ابوہریرہؓ کے لیے بھی وہی ہے، اور ابوذر غفاریؓ جو شروع کے مشکل کے دور میں مسلمان ہوئے، ان کے لیے بھی وہی ہے۔ دعوت کے اسلوب پر ابوبکر صدیقؓ اور بلال حبشیؓ میں کوئی فرق نہیں۔ حتیٰ کہ عمر فاروقؓ جیسے جلیل القدر قریشی' حضرت بلالؓ کے بارے میں کہتے ہیں کہ: ''یہ بلالؓ ہمارے سردار ہیں۔''

یہ دعوت کا اصول ہے۔ پارٹی کا فروغ اس کے بغیر نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس نظم و ضبط چلانے کی صلاحیت ضروری نہیں کہ تمام افراد میں ہو۔ حضرت ابوذر غفاریؓ سے حضورؐ نے فرمایا کہ: ''یا اباذرؓ! لا تسئل الامارة.'' (کبھی حکمرانی کا سوال نہ کرنا۔) حضورؐ نے اکابر صحابہؓ کی موجودگی میں چھوٹی عمر میں حضرت اُسامہؓ کو لشکر کا سربراہ بنایا۔ لوگوں نے شکایت کی۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: ''إِنَّهُ كان لَخَليقاً للامارة'' اس کی تخلیقی صلاحیتیں نظم و ضبط اور ڈسپلن کو کنٹرول کرنے کی ہیں۔ فطری طور پر اس میں امارت کی صلاحیت ہے۔ یہ ہزاروں کے مجمع کو کنٹرول کر کے مطلوبہ مقاصد و اہداف حاصل کرنے کی جرأت، مہارت رکھتا ہے۔''

www.rahimia.org

تاریخ اسلام میں امام اور امیر کی تقسیم

تعلیم وتربیت اور عملی نظام چلانے کی نتیجہ خیز حکمتِ عملی کا اظہار ہے

اس خطبے کے موقع پر حضرتِ اقدس نے مزید فرمایا:

''حضرت حسنؓ کا جو معاہدہ حضرت امیر معاویہؓ سے ہوا، وہ یہی تھا کہ آئندہ پارٹی کی قیادت حضرت حسنؓ اور ان سے وابستہ جماعت کرے گی۔ اس لیے اسلامی تاریخ میں ان کو ''امام'' کہا جاتا ہے۔ اور سیاسی نظم ونسق، دین کے غلبے کے عملی نظام کی اِمارت حضرت امیر معاویہؓ کے سپرد ہوئی۔ اسی لیے حضرت امیر معاویہؓ کے نام کے ساتھ ''امیر'' کا لفظ لکھا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے غلبے کی گیارہ بارہ سوسالہ تاریخ ''امام'' اور ''امیر'' کی اس تقسیم کار کی شہادت دیتی ہے۔ جن قائدین نے بنیادی فکر ونظریہ کے لیے جدوجہد کی اور قربانیاں دیں، وہ ''امام'' کہلائے۔ امام کا مفہوم ''ایسے قاعدے، ضابطے اور قوانین بنانے والا، جس کی اساس پر انسانی سوسائٹی کی تعمیر وتشکیل اور ترقی کا فکر ونظریہ اور تربیت کا طریقہ سامنے آئے۔'' نماز کا امام بھی وہ فرد ہے کہ جس کے عمل کی اتباع کی جاتی ہے۔ امام وہ رہنما ہے، جو فکر ونظریے کی پاسبانی اور نگہبانی کرے۔ اور امیر وہ ہے کہ ''جو انتظامی نظم ونسق پر مبنی عملی سیاسی اُمور کی باگ دوڑ سنبھالتا ہے۔''

اب حضرت علی رضی اللہ عنہٗ، حضرات حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے پاس جو بھی آ گیا، عربی تھا یا عجمی، ایرانی تھا یا مغربی ملک کی کسی جگہ سے تعلق رکھتا تھا، انسانی بنیادوں پر دعوت کے اصول پر وہ یکساں سلوک کا مستحق ہوا ہے۔ پارٹی کے نظریے کے فروغ کے نقطہ نگاہ سے اُسے انسانیت کا درس سکھانا ہے۔ عدل وانصاف کے لیے سوچ دینی ہے، اس میں انسانی ہمدردی پیدا کرنی ہے۔ قرآن حکیم جن بنیادی افکار پر انسانوں کی تربیت کرتا ہے، اس کی تعلیم دینی ہے۔ اسی لیے تمام صوفیا کے سلسلے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اور حضرت حسنؓ کے ذریعے سے آگے چلتے ہیں۔ وہ جنید بغدادیؒ ہوں یا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور خواجہ نقشبندؒ ہوں، خواجہ مودود چشتیؒ ہوں یا بہاؤالدین زکریا ملتانی سہروردیؒ ہوں، آپ دیکھئے کہ ان تمام اولوالعزم لوگوں نے روحانی نسبت حاصل کر کے مشکل مقامات اور علاقوں میں لاکھوں لوگوں کے دلوں میں اللہ کا نور بھر دیا۔ نظریے پر اعتماد ویقین پیدا کر دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی نسبت منتقل کر دی۔ روحوں کو گرمایا، دل ودماغ کے اندر تحریک پیدا کی اور دین اسلام کی بنیادی سوچ اور فکر کو منتقل کیا۔ اس کے لیے جان بھی قربان کرنی پڑی تو ان ائمہ انقلابات نے اس کے لیے جان بھی قربان کی۔ وہ حضرت حسینؓ ہوں یا انا الحق کا نعرہ لگانے والے منصورؒ ہو۔ بایزید بسطامیؒ ہوں یا شہاب الدین سہروردیؒ ہوں یا ان کے بعد کے اولوالعزم اولیاء اللہ ہوں۔ نظریے کے فروغ کی دور کے تقاضوں کے مطابق حکمتِ عملی بنا کر انسانی دل ودماغ میں بنیادی سوچ منتقل کر دینا، اس اولوالعزم جماعت کا کردار رہا ہے۔ دین اسلام کی پارٹی کے نظریے کا فروغ اسی کے ذریعے سے ہے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب تک کسی ملک یا سوسائٹی کا سیاسی نظم ونسق موجود نہیں ہوتا تو اس ظاہری دنیا میں اس کی بقا ممکن نہیں ہوتی۔ بنواُمیہ کی سوسالہ تاریخ، خلافتِ راشدہ کے بعد اس حقیقت کی نشان دہی کرتی ہے کہ اس کی سیاسی طاقت نے یورپ، ایشیا اور افریقا میں دین اسلام کے غلبے کا بین الاقوامی نظام چلا کر دکھایا۔ اگر بنوامیہ کا سوسالہ دور' اسلامی تاریخ سے نکال دیا جائے تو دین اسلام کی سیاست کے میدان میں کیا باقی رہ جاتا ہے۔

حضرت حسنؓ کے بعد صحابہؓ کی جماعت کے دو حصے ہیں اور دونوں حصوں نے اپنا اپنا کام کیا ہے۔ اس میں توازن قائم رکھنا' مسلمانوں کی عقل وشعور کا سب سے اہم ترین عمل ہے۔ یکطرفگی کا شکار ہو کر کسی بھی طرف کے بزرگوں کی توہین وتذلیل کرنا درست رویہ نہیں ہے۔ دنیا کی مہذب قومیں اپنی سوسائٹی کا اجتماعی نقطہ نگاہ سے جائزہ لیتی ہیں اور اپنے اہداف ومقاصد کو سامنے رکھ کر ایک واضح نظریہ اور لائحۂ عمل تشکیل دیتی ہیں۔ مسلمان ایک پارٹی ہے، اس پارٹی کے یہ دو وِنگ ہیں۔ دونوں نے اپنی اپنی جگہ پر ایک اجتماعی کردار ادا کیا۔ ایک کے فضائل بیان کرنے کا یہ قطعی مطلب نہیں کہ دوسرے وِنگ کا کوئی کردار نہیں ہے، دوسرے وِنگ کو کفر کے درجے پر پہنچا دیا جائے یا مسلمانوں پر لعنتیں برسانا شروع کر دی جائیں۔ دونوں باتیں غلط ہیں۔ آج جو انتہا پسندانہ پُرتشدد اور فرقہ واریت کی سوچ دل ودماغ پر مسلط ہوگئی، یہ سوسائٹی کی اجتماعیت کے لیے انتہائی خطرناک ہے۔ جہاں ائمہ اہل بیت نے دین کے غلبے کے لیے قربانیاں دیں، جدوجہد اور کوشش کی، نظریے کے فروغ کے لیے ایک عظیم کردار ادا کیا، وہیں خلافتِ راشدہ کے بعد خلافتِ بنواُمیہ، خلافتِ بنوعباس اور خلافتِ بنوعثمان نے ایک ہزار سال تک دین کا سیاسی، معاشی اور سماجی ڈھانچہ مستحکم اور مضبوط کیا۔

دنیا کی کوئی مہذب قوم جب اپنی تاریخ کا جائزہ لیتی ہے، تو توازن قائم رکھتی ہے۔ ان میں انتہا پسندانہ سوچ نہیں ہوتی۔ وہ اپنے سماج کی تمام طاقتوں کو پیشِ نظر رکھ کر ان کے مجموعی کردار کا جائزہ لیتی ہیں۔ جو سوسائٹی میں تغیر وتبدل ہوا ہے، نتائج پیدا ہوئے ہیں، وہ اس پر غور وفکر کرتی ہے۔ مثبت اصول اخذ کیے جاتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا کہ: ''احسنوا موتا کم.'' (دیکھو مسلمانو! جو تم میں سے فوت ہو چکے ہیں، ان کی اچھائیاں بیان کرو، بُرائیاں مت بیان کرو۔) اُس میں سے وہ بنیادی اصول اخذ کرو، جو سوسائٹی کی ترقی کے لیے یکساں طور پر نتیجہ پیدا کرنے کا باعث ہوں۔ منفی راگ الاپنا، محض مرثیے پڑھنا، محض تعزیت کے نام پر اپنے آپ کو اور قوم کو ایذاؤں میں مبتلا کرنا، یہ انتہا پسندانہ سوچ ہے۔ یہ کوئی مثبت نتیجہ پیدا نہیں کرتی ہے، بلکہ منفی سوچ، سوسائٹی میں فرقہ واریت کو فروغ دینے، بدامنی کو فروغ دینے کے علاوہ اور کوئی کردار ادا نہیں کرتی۔

حضرت حسینؓ کی عظیم جدوجہد اور کوشش کی طرف تو توجہ نہیں اور محض شہادت کا قصہ اور وہ بھی بے سروپا روایات پر مشتمل، جس کا نہ سر نہ پیر، کوئی مستند روایت اس سلسلے میں موجود نہیں، بیان کر کے محض رونا پیٹنا اور چیخنا چنگھاڑنا درست نہیں۔ انھوں نے انسانی سوسائٹی کے لیے جو اجتماعی کردار ادا کیا، بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب، عدل وانصاف، امن وامان اور معاشی خوش حالی کے لیے جو حضرت حسینؓ نے عظیم الشان جدوجہد اور کوشش کی، ان اصولوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ نیز بنواُمیہ کے سیاسی کردار کو بھی صحیح تناظر میں سمجھنے کی ضرورت ہے۔''

مولانا مفتی عبدالقدیر

امام شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی حکمت و بصیرت

ہندوستان میں بددین صوفیوں کا ایک فرقہ ''امام شاہی'' تھا، جو چار ابرو کا صفایا کرتا تھا۔ اور بے ہودہ باتیں کیا کرتا تھا۔ اس فرقے کا موجد ایک شخص امام شاہ تھا۔ یہ فرقہ شکارپور سے نکلا تھا۔ اس فرقے کا سجادہ نشین جب نسیم خان ہوا تو اس کی طرف جاہل عوام کا بہت رجوع ہوا۔ کچھ زمانے کے بعد اس نے سیر کی غرض سے دہلی کا سفر کیا اور دہلی پہنچ کر امام شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی پہنچا۔ عوام کے بے تحاشا رجوع کے باعث نسیم خان کا دماغ آسمان پر پہنچ چکا تھا۔ اس لیے وہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی تعظیم و تکریم بجا نہ لایا، بلکہ آزادانہ ان کے پاس گیا اور جا کر اپنے محاورے کے مطابق سلام کیا اور کہا کہ: ''شاہ صاحب! شریعت کی قید میں کب تک رہو گے؟ نکلو اس قید سے اور چھوڑو اس شریعت کو۔'' شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت اَخلاق سے فرمایا: آیئے خان صاحب! تشریف لایئے۔ اور اپنے پاس بٹھا لیا اور بہت دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ اس کے بعد باتوں ہی باتوں میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: میاں صاحب آپ نے قرآن بھی پڑھا ہے؟ اس نے کہا: ہاں! اس کے بعد پوچھا کہ کچھ فارسی بھی پڑھی ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! پھر پوچھا کہ کچھ عربی بھی پڑھی ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! اس کے بعد پوچھا کہ: کچھ گھوڑے کی سواری بھی سیکھی ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! پھر پوچھا: فنونِ سپہ گری بھی سیکھے ہیں؟ اس نے کہا: جی ہاں! پھر پوچھا کہ: آپ پہلے کیا کام کرتے تھے؟ اس نے کہا کہ: فوج میں رسالدار تھا۔ پھر پوچھا کہ: قرآن کتنے زمانے میں پڑھا اور فارسی کتنے زمانے میں اور عربی کتنے زمانے میں اور فنونِ سپہ گری کتنے عرصے میں سیکھے اور ملازمت کتنے عرصے کی؟ اس نے ان تمام باتوں کا بھی جواب دیا۔ پھر پوچھا کہ: اس سلسلے میں کب داخل ہوئے؟ اس نے اس کا بھی جواب دیا۔

جب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام باتوں کا اقرار لے لیا تو للکار کر فرمایا: ''فقیر! سنبھل کر بیٹھ اور سُن! تُو نو مہینے ماں کے پیٹ کی قید میں رہا اور اس سے باختیارِ خود نہ نکل سکا۔ اور اتنے دنوں تُو ماں کے پستانوں کی قید میں رہا اور اس سے نہ نکل سکا۔ اور اتنے دن تک تُو انگلی پکڑنے کی قید میں رہا اور اتنے دن تُو مونڈھوں کی قید میں رہا اور اتنے دن تُو قرآن کی قید میں رہا۔ استاد نے تھپڑ بھی لگائے ہوں گے۔ قمچیاں بھی لگائی ہوں گی، مگر تُو اس قید سے نہ نکل سکا اور اتنے دن تُو عربی کی قید میں رہا۔ اتنے دن سواری کی قید میں رہا، اتنے دن تیراندازی کی قید میں رہا، اتنے دن انگریزوں کی ملازمت کی قید میں رہا۔ اب چار ابرو کی صفائی کی قید میں ہے۔ پھر تُو اپنے آپ کو آزاد کیسے کہہ سکتا ہے؟! الحاصل! اس عالم میں کوئی ایسا نہیں، جو کسی نہ کسی قید میں نہ ہو۔ تُو چار ابرو کی صفائی کی قید میں ہے اور ہم شریعت کی قید میں ہیں۔'' وہ فقیر نہایت شرمندہ ہوا اور اُٹھ کر چلا گیا۔

ہمارے بزرگوں میں امام شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی حاضر جوابی اور حکمت و بصیرت میں اونچا مقام رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنی اس خداداد صلاحیت کے ذریعے ہندوستان میں بہت سے دین بیزار اور لامذہب لوگوں کو لاجواب اور متاثر کیا۔

پروفیسر ڈاکٹر قاری محمد سعید اختر

اِسراف

اِسراف ایک منفی رویہ اور ایک بداَخلاقی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ عمل ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے: وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (31:7) (اور اسراف نہ کرو کہ اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا) اگر اس پر کنٹرول نہ کیا جائے تو یہ افراد اور اقوام کی تباہی پر منتج ہوتا ہے۔ اِسراف بنیادی طور پر غیرضروری خرچ کرنے کو کہتے ہیں۔ اس کی کئی صورتیں ہیں۔ ان سب میں انسانی وسائل غیر پیداواری صورت میں ختم ہو جاتے ہیں اور انسان کا خوش حالی سے بدحالی کی طرف سفر تیزتر ہو جاتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ہمیں کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے؟ سب سے پہلے تو جو وسائل میسر ہیں، انھیں دولت پیدا کرنے کے ذرائع قائم کرنے پر صَرف کرنا چاہیے۔ ان سے جو دولت پیدا ہو، اِسے بنیادی انسانی ضروریات؛ روٹی، کپڑا، مکان، تعلیم، علاج، نکاح کی استطاعت اور بچوں کی پرورش پر خرچ کرنا چاہیے۔ قومی سطح پر عوام کی ان ضروریات کو پورا کرنا' ایک عادلانہ سماجی نظام کا بنیادی تقاضا ہے۔ ان بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ جو دولت مزید حاصل ہو، اِسے ذرائع دولت کو ترقی دینے پر خرچ کرنا چاہیے، نہ کہ سامانِ تعیش پر۔ اور جب پیداوار بڑھنے کے ساتھ خوش حالی کی بلندتر سطح حاصل ہو جائے تو پھر انسانی جذبۂ حبِ جمال کو تسکین پہنچاتے ہوئے تمدن کو زیادہ سے زیادہ ترقی دینے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ تمدن کی ترقی نہ تو قرضوں کی معیشت سے ہونی چاہیے اور نہ ذرائع دولت قائم کرنے سے پہلے۔ ذرائع دولت کے پیدا ہونے سے پہلے ترقی یافتہ تمدن کو اپنانے پر دولت صَرف کرنے کا نام اِسراف ہے اور یہ ہلاکت ہے۔ یہ اصول قومی سطح پر بھی صادق آتا ہے اور انفرادی سطح پر بھی کہ ترقی سے پہلے ترقی یافتہ تمدن کو اپنانا ہلاکت خیز ہے۔

اِسراف کی ایک شکل اسباب کو بے مقصد ضائع کرنا بھی ہے۔ اس میں سبھی اشیا شامل ہیں۔ اشیائے خوراک کی مثال ان میں بہت نمایاں ہے۔ ہم انفرادی طور پر اور اجتماعی طور پر اپنی پلیٹ میں ضرورت سے بہت زیادہ کھانا لے کر اس کی کثیر مقدار کو ضائع کرتے ہیں۔ اس سے ذاتی سطح پر بھی کھانے کے اخراجات میں اضافہ ہو جاتا ہے اور اجتماعی تقریبات میں بھی۔ آپ سے ضائع شدہ کھانے کی قیمت بھی وصول کی جاتی ہے اور یوں مہنگائی میں اضافہ سماجی کرب کا باعث بنتا ہے۔ چناں چہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہی ہے کہ برتن میں کھانا نہ چھوڑا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ آپ کی ضرورت سے زائد ہوتا ہے، وہ دوسرے افرادِ معاشرہ کی امانت ہوتا ہے۔ اِسراف کر کے اس امانت کو اُن تک نہیں پہنچنے دیتے اور انھیں بنیادی ضروریات سے محروم رکھتے ہیں۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے کہ: ''اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! یہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ آپ کہہ دیجیے کہ ضرورت سے زیادہ سب کچھ۔'' اور یہاں خرچ کرنے سے مراد دوسرے افرادِ معاشرہ کی ضروریات کے لیے خرچ کرنا ہے۔ یہ خیرات کے طور پر نہیں، بلکہ بنیادی طور پر ریاستی نظام کے ذریعے سے ہے۔

www.rahimia.org

بچوں کا کالم — چوہدری افضل حق رحمۃ اللہ علیہ

اپنے کام خود کرو

(چوہدری افضل حق آزادی کے عظیم رہنما تھے۔ اپنی قوم کی تعلیم و تربیت اور اَخلاقی معیار کی بلندی ہمیشہ ان کے پیشِ نظر رہی۔ ذیل میں ان کے اُن خطوط کی تلخیص شائع کی جا رہی ہے، جو اُنھوں نے 1939ء میں راولپنڈی جیل سے اپنے بچوں کے نام لکھے۔ دراصل ان کے مخاطب قوم کے ہر دور کے نونہال ہیں۔ مدیر)

برخوردار عزیز از جان! السلام علیکم

بھئی میں تو جیل میں ہوں۔ اس لیے خط لکھنے پر پابندی ہے، مگر تم آزاد ہو اور خط کی رسید نہیں دیتے۔ اب تو بسنت گزر گیا اور پتنگوں کا موسم ختم ہو گیا۔ اُمید ہے کہ اب زیادہ لکھنے پڑھنے کی فرصت ملتی ہوگی۔ مجھے تمھاری صحت کا فکر ہے۔ معروف نے خط لکھا، مگر تمھارے حلق کی تکلیف کا کچھ نہیں لکھا۔ آئندہ کوئی بھی خط لکھے تو سب کی صحت کا پورا پورا حال لکھے، کیوں کہ صحت دنیا کی سب سے بڑی دولت ہے۔

پچھلی دفعہ جو خط لکھا تو خیال آیا کہ سگھڑ بی بی کی طرح سب کو نصیحت کرتا ہوں، لیکن خود بے عمل ہوں۔ ہمیشہ نوجوان ساتھی بستر صاف کر دیتے اور میز پر کتابیں اور گل دستہ سجا دیتے، میں صرف شکریہ ادا کر دیتا۔ اب ایک ماہ سے خود ہی یہ کام کرتا ہوں۔ جو کام عمر بھر نہ کیا' گراں گزرتا ہے، مگر کام تو کرنے سے ہوتا ہے۔ بن محنت تو نوالہ مونہہ میں نہیں جاتا۔ تمھیں نصیحت کرنے کا یہ پھل مجھے ملا کہ عمر بھر کی کاہلی اور سستی کو چھوڑ کر اپنا کام خود کرنے لگا ہوں۔ بستر خود بچھاتا ہوں اور تازہ پھول گل دان میں خود لگاتا ہوں۔ یہ بھی موسمِ بہار کے خوش نما پھول ہنستے کھیلتے بچے ہیں، انھیں دیکھ کر دل باغ باغ ہوتا ہے۔ اس تنہائی میں ان رنگا رنگ کے پھولوں پر نظر ڈالو تو یوں معلوم ہوتا ہے جیسے بلقیس، معروف، شمس، ضیا اور بادشاہ نجمہ کی شرارتوں پر ہنس رہے ہیں۔

گل دستے کے پھولوں نے مجھے خط لکھتے دیکھ کر کہا: کیوں جی! بچوں کو خط لکھنے لگے ہو؟ میں نے کہا بے شک، وہ بولے! تو بہتر صاحب۔ ہمارا سلام پیغام بھی انھیں پہنچا دو اور یوں لکھو کہ بھائیو اور بہنو! پھولوں کی طرح خوش خوش اور صاف ستھرے رہو۔

لو بھئی تم نے پھولوں کا پیغام سن لیا۔ اس کو نہ بھولنا' ہمیشہ صاف ستھرے رہنا۔ قیمتی لباس کے بجائے صاف ستھرا لباس بہتر ہے۔ جس انسان کی صحت اچھی ہے، ہر لباس اس کی زینت ہے۔ بیمار آدمی پر عمدہ لباس ایسا ہے، جیسے خشک جھاڑیوں پر کسی نے کپڑے سکھانے کو ڈال دیے ہوں۔ اچھی صحت کا آدمی سادہ لباس میں بھی چاند کی طرح چمکتا ہے۔

خدا جانے! ہندوستانی گھروں میں صفائی کی کمی کیوں ہے۔ جاپان اور ایران نے صفائی میں یورپ کو مات کر رکھا ہے، مگر یہاں غربا چھوڑ اُمرا بھی صفائی سے بے پرواہ ہیں۔ دیواروں کو تصویروں سے سجانے کی ضرورت نہیں، بلکہ اندر آنگن کو شیشے کی طرح گرد اور مٹی سے صاف رکھنے کی ضرورت ہے، تاکہ آنکھیں دیکھیں اور دل خوش ہو۔

خواتین کا کالم — حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ

بچوں پر ماں باپ کے ماحول کے اثرات

تعلیم و تربیت کے ذریعے گھروں میں بچوں کی ذہنی نشو و نما کے لیے سازگار ماحول پیدا کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ مقصد گھر کی عورتوں سے ہی حاصل ہو سکتا ہے کہ جب ماں تعلیم یافتہ ہوگی، بچے کو بھی تعلیم سے آشنا کر دے گی۔ جس سے اس کے اَخلاق سدھر جائیں گے۔ اور اگر بالفرض ماں بچے کو تعلیم نہ بھی دے، مگر وہ ماں نیکوکار اور بااَخلاق ہو تو اس کی نیکوکاری اور حسنِ اَخلاق کی برکت سے اولاد بھی دین دار بن جائے گی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو قوم میری فرماں برداری کرتی ہے تو میں اس کی سات پشتوں تک رحمت کو بھیجا کرتا ہوں اور اگر فرماں برداری نہیں کرتی، اس کی سات پشتوں تک لعنت بھیجتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ والدین کی نیکوکاری اور بدکاری کا بُرا اثر سات پشتوں تک جاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ والدین جیسے ہوں، ویسے ہی ان کے بچے بھی اثر قبول کرتے ہیں۔ اگر والدین عالم ہیں تو بچے میں بھی علم کا اثر ہوگا کہ وہ جائز و ناجائز کے مطابق گفت و شنید کریں گے۔ اگر دوکان دار ہیں تو بچوں میں بھی دوکان داری کے اثرات حساب وغیرہ کچھ نہ کچھ موجود ہوں گے۔ اگر والدین کھیتی باڑی کرتے ہیں تو بچے بھی اس کا اثر لیں گے۔

امیر عبدالرحمٰن خان والیٔ کابل کے دادا امیر دوست محمد کا واقعہ ہے کہ اس کے ملک پر کسی نے چڑھائی کی۔ اس کی سرکوبی کے لیے اس نے ایک فوج اپنے ولی عہد شہزادے کے ہاتھ بھیجی۔ دو تین دن بعد اطلاع آئی کہ شہزادے کو شکست ہوئی اور وہ دوڑتا ہوا آ رہا ہے۔ اور دشمن اس کے پیچھے ہے۔ اس سے بادشاہ کو بہت صدمہ ہوا اور بیگم صاحبہ کو تمام قصہ سنایا۔ بیگم نے کہا کہ یہ غلط ہے۔ امیر نے کہا: سی آئی ڈی کی رپورٹ ہے، وہ کیسے غلط ہو سکتی ہے۔ مگر بیگم نہ مانی کہ شکست ہرگز نہیں ہو سکتی۔ دوسرے دن اطلاع آئی کہ وہ خبر غلط ہے۔ شہزادہ فتح پا کر واپس آ رہا ہے۔ بادشاہ نے پوچھا: تجھے کیسے معلوم ہوا تھا کہ وہ شکست نہیں کھا سکتا؟ اس نے کہا کہ کچھ نہیں' صرف اللہ تعالیٰ نے میری لاج رکھ لی۔ جب شہزادہ میرے پیٹ میں آیا تو میں نے اس وقت سے عہد کر لیا تھا کہ میرے پیٹ میں مشتبہ لقمہ نہیں آنا چاہیے۔ اس لیے کہ حلال غذا سے اچھی طبیعت اور اچھے اَخلاق بنتے ہیں اور حرام غذا سے طبیعت فاسد ہوتی ہے اور اَخلاق رذیلہ پیدا ہوتے ہیں۔ یہ شہزادہ نو مہینے تک میرے پیٹ میں رہا اور ایک لقمہ غذا کا میں نے ایسا نہیں کھایا، جو مشتبہ ہو۔ اس لیے اس کے اَخلاق رذیل اور بُرے نہیں ہو سکتے۔ شہید ہونا یہ اچھا خُلق ہے۔ اور پُشت پھیرنا یہ اچھا خُلق نہیں ہے۔ شہزادہ شہید ہو سکتا ہے اور کٹ کر مر سکتا ہے، مگر پُشت پھیر کے فرار نہیں ہو سکتا۔

اور پھر اس پر بس نہیں، بلکہ جب یہ شہزادہ پیدا ہوا، تب بھی میں نے مشتبہ غذا استعمال نہیں کی، تاکہ اس غذا سے دودھ بن کر اس کے اَخلاق پر اثر انداز نہ ہو۔ اور جب دودھ پلاتی تو وضو کر کے اور دو رکعت نفل ادا کر کے پلاتی۔ اس لیے ان چیزوں سے شہزادے کے اَخلاق بہت بلند ہونے چاہئیں، اس لیے میں نے تمھاری ساری فوج اور حکومت کی بات کو جھٹلایا، مگر اپنے قول سے باز نہیں آئی۔

www.rahimia.org

رپورٹ: ڈاکٹر محمد حارث بن اختر

حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ

کا دورۂ خیبر پختونخواہ

حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ 14 روزہ دورہ پر خیبر پختونخواہ تشریف لائے۔ آپ کی آمد 13/ستمبر 2014ء کو لاہور سے 5 بجے سہ پہر نوشہرہ ہوئی۔ آپ کے ہمراہ حضرت مولانا مفتی عبدالقدیر بھی تھے۔ عمیر بابر اور عادل بابر کے گھر حضرت اقدس کو خوش آمدید کہا گیا۔ مولانا مفتی محمد مختار حسن اور دیگر نے استقبال کیا۔ نمازِ عصر کے بعد چائے نوش فرمائی۔ کچھ دیر آرام کیا اور پھر وہیں نمازِ مغرب ادا کی گئی۔ اس کے بعد مسجد درزیاں میں آمد ہوئی۔ اور وہیں مجلس ذکر منعقد کی گئی۔ جس میں علاقہ بھر سے خانقاہ کے متعلقین و متوسلین نے شرکت کی۔ اس کے بعد ذکر کی اہمیت پر حضرت اقدس نے بیان فرمایا۔ رات کا کھانا عمیر بابر کے ہاں ہوا۔ اس کے بعد استفادہ نشست ہوئی، جو رات 12 بجے تک جاری رہی اور پھر عمیر بابر صاحب کے گھر ہی آرام فرمایا۔

14/ستمبر نمازِ فجر اور ناشتہ کے بعد 10 بجے نوشہرہ سے مینگورہ کے لیے روانگی ہوئی۔ راستے میں دارالعلوم اسلامیہ عربیہ شیر گڑھ میں آدھ گھنٹہ قیام کیا۔ اس کے بعد حضرت اقدس' مولانا عزیر گل صاحبؒ (اسیر مالٹا) کے مزار پر تشریف لے گئے اور مراقبہ فرمایا۔ مینگورہ میں ثناء اللہ صاحب کے گھر پر حضرت اقدس کا استقبال کیا گیا۔ نمازِ ظہر کے بعد دوستوں سے عمومی ملاقات ہوئی اور پھر کچھ دیر حضرت نے آرام فرمایا۔ نمازِ عصر کے بعد مغرب تک علوم اسلامیہ کلاس II کے شرکا کی استفادہ نشست ہوئی۔ نمازِ مغرب کے بعد مجلس ذکر کا اہتمام کیا گیا، جس میں شہر اور گرد و نواح کے احباب و متعلقین سلسلہ نے بھرپور شرکت کی۔ مجلسِ ذکر کے بعد ''ذکر کی اہمیت'' پر حضرت مولانا مفتی عبدالقدیر صاحب نے بیان فرمایا۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے کلمات بیعت کہلوائے۔ رات کا کھانا جناب پروفیسر نور رحمٰن کاکا کے ہاں کھایا۔ نمازِ عشا کے بعد استفادہ نشست ہوئی، جو کہ 11:30 بجے تک جاری رہی۔ حضرت اقدس کی دعا سے اس استفادہ نشست کا اختتام ہوا۔ اور پھر جناب نور رحمٰن کاکا کی رہائش گاہ پر آرام فرمایا۔

15/ستمبر 2014ء نمازِ فجر کے بعد ناشتہ کیا اور پھر تقریباً 10 بجے مالم جبہ کے لیے روانگی ہوئی۔ مالم جبہ میں عبداللہ صاحب کے ہاں دوپہر کا کھانا ہوا، اس کے بعد غیررسمی استفادہ نشست ہوئی۔ یہاں پر حضرت اقدس نے ادارہ رحیمیہ کی بلڈنگ کے لیے جگہ کا معائنہ فرمایا اور ہدایات دیں اور دعا فرمائی۔ مالم جبہ ٹاپ پر پہنچے۔ عبداللہ صاحب نے ان مقامات کے بارے میں بریف کیا۔ نمازِ ظہر راستے میں مسجد بلال میں ادا کی۔ ثناء اللہ صاحب کے ہاں گنبد میراں' مینگورہ پہنچے۔ نمازِ عصر ادا کی اور کچھ دیر آرام فرمایا۔ شام 6 بجے ایک دعوتی سیمینار کا اہتمام کیا گیا، جس میں حضرت اقدس نے خطاب فرمایا۔ اس کے بعد نمازِ مغرب ادا کی اور مجلس ذکر کا انعقاد کیا گیا۔ اس کے بعد مولانا مفتی محمد مختار حسن نے ذکر کی اہمیت پر تفصیلی خطاب فرمایا۔ اس کے بعد نمازِ عشا ادا کی۔ پھر حضرت اقدسؒ جناب اشفاق علی کے چچا کے انتقال پر ان کے ہاں تعزیت کے لیے تشریف لے گئے۔ واپسی پر جناب نور رحمان کاکا کے ہاں رات کا کھانا کھایا اور کھانے کے بعد غیر رسمی استفادہ نشست بھی ہوئی۔ اور پھر حضرت اقدس نے یہیں آرام فرمایا۔

16/ستمبر 2014ء کو نمازِ فجر کے بعد چائے پیش کی گئی۔ اس دوران استفادہ نشست بھی ہوئی۔ 10 بجے نوید عالم صاحب کے ہاں بُکس روڈ پر کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد حضرت اقدس نے کچھ ارشادات فرمائے اور دعا فرمائی۔ اس کے بعد حضرت سیدو باباؒ کے مزار پر حاضری کے لیے روانگی ہوئی۔ مزار کے متصل جامع مسجد سیدو شریف میں نمازِ ظہر ادا کی۔ نماز کے بعد حضرت اقدس نے سیدو باباؒ کے مزار پر مراقبہ فرمایا۔ اس کے بعد مزار سے کانجو کی طرف روانہ ہوئے۔ اور وہاں پروفیسر ریاض صاحب کے ہاں پہنچے۔ یہاں بہت سے دوست پہلے سے موجود تھے۔ انھوں نے حضرت اقدس کا استقبال کیا۔ پروفیسر صاحب نے چائے اور پھلوں سے تواضع کی اور کچھ دیر آرام ہوا۔ نمازِ عصر کے بعد مولانا مفتی محمد مختار حسن نے ''نوجوانوں کی اہمیت اور ان کی ذمہ داریاں'' کے موضوع پر بیان فرمایا۔ اس کے بعد دوستوں نے حضرت اقدس سے سوالات و جوابات کی نشست کی۔ آج کے دن کانجو میں دعوتی سیمینار طے تھا، مگر یہاں کرفیو ہونے کے باعث ملتوی کر دیا گیا۔ کیوں کہ گزشتہ روز امن کمیٹی کے دو ممبران کو قتل کر دیا گیا تھا۔ نمازِ مغرب ادا کرنے کے بعد مجلس ذکر کا انعقاد ہوا۔ اور پھر مفتی عبدالقدیر صاحب نے ''ذکر کی اہمیت'' پر بیان فرمایا۔ بیان کے بعد حضرت اقدس نے بیعت کے کلمات کہلوائے۔ اس کے بعد نمازِ عشا ادا کی گئی اور اس کے بعد کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد استفادہ نشست ہوئی، جس میں مالاکنڈ یونیورسٹی کے طلبا نے بھرپور حصہ لیا۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے ریاض صاحب کے مکان پر آرام فرمایا۔

17/ستمبر 2014ء کو نمازِ فجر ادا کی اور اس کے بعد کانجو ٹاؤن کی مین روڈ پر سیر کی۔ کچھ آرام کے بعد سفر کی تیاری کی اور ناشتہ کیا۔ نمازِ ظہر ادا کرنے کے بعد لوئر دیر کے لیے روانگی ہوئی۔ لوئر دیر میں دعوتی سیمینار کے لیے گورنمنٹ ہائی سکول شمشی خان میں آمد ہوئی۔ دوستوں کی چائے اور شربت سے تواضع کی گئی۔ دعوتی سیمینار کا آغاز ہوا۔ جس میں پہلے مفتی عبدالقدیر صاحب نے تقریر کی اور پھر حضرت اقدس نے ''ولی اللّٰہی فکر کا تعارف'' پر خطاب فرمایا۔ اس کے بعد نمازِ عصر ادا کی گئی اور دوستوں سے مصافحہ اور تعارف ہوا۔ ادارہ رحیمیہ کے تعارفی پمفلٹ اور مجلّہ جات رحیمیہ شرکا میں تقسیم کیے گئے۔ اس کے بعد مقامی دوست کی رہائش گاہ کے لیے روانگی ہوئی۔ وہاں پہنچ کر نمازِ مغرب ادا کی اور مجلس ذکر منعقد کی گئی۔ مجلس ذکر کے بعد مولانا مفتی محمد مختار حسن نے ذکر کی اہمیت پر بیان فرمایا اور حضرت اقدس نے بیعت کے کلمات کہلوائے۔ اس کے بعد نمازِ عشا اور عشائیہ ہوا اور یہیں آرام فرمایا۔

18 ستمبر 2014ء کی صبح نمازِ فجر اور ناشتہ کے بعد بونیر کے لیے روانگی ہوئی۔ بشونڑی میں سلسلۂ رحیمیہ رائے پور کے بزرگ حضرت محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ (خلیفہ حضرت شاہ مؤمن گگرویؒ) کے مزار پر حاضری دی۔ حضرت اقدس اور مفتیانِ کرام نے مراقبہ کیا۔ پروفیسر ریاض صاحب کے دوست کے ہاں دوپہر کا کھانا کھایا اور نمازِ ظہر ادا کی۔ اس کے بعد امبیلہ کے مقام پر گئے، جہاں حضرت سیدو بابا مولانا عبدالغفور سواتی رحمہ اللہ نے انگریزوں کے خلاف جہاد کیا تھا۔ حضرت سیدو باباؒ نے پہاڑی کی جس چوٹی پر جنگ کی کمان کی تھی، اُسے ''بابا گُنڈ'' کہا جاتا ہے اور وہاں ایک مسجد بھی ہے۔ امبیلہ سے مردان کے لیے روانگی ہوئی۔ مردان میں جناب یاسر حلیم کے سکول Rose Garden پہنچے اور دعوتی سیمینار میں شرکت فرمائی۔ حضرت اقدس نے اس سیمینار میں موضوع ''پاکستان میں عدم استحکام کے اسباب'' پر اظہارِ خیال فرمایا۔ نمازِ عصر بھی قریب مسجد میں ہی ادا کی۔ نمازِ مغرب ادا کی اور اس کے بعد جامعہ احیاء العلوم مردان تشریف لے گئے، جہاں مولانا اسداللہ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ شام 7 بجے پشاور کے لیے روانگی ہوئی۔ ادارہ رحیمیہ پشاور کیمپس میں دوستوں نے پرتپاک استقبال کیا۔ یہاں نمازِ عشا ادا کی۔ حضرت اقدس نے ''نظم و ضبط کے اہداف اور کارکن کی ذمہ داریاں'' کے موضوع پر اظہارِ خیال فرمایا۔ رات کا قیام یہیں ادارہ رحیمیہ پشاور کیمپس میں ہوا۔

19 ستمبر 2014ء بروز جمعہ کو صبح 11 بجے مفتی عبدالقدیر صاحب کے ساتھ دوستوں کی غیر رسمی استفادہ نشست ہوئی۔ اس کے بعد مفتی صاحب نے نمازِ جمعۃ المبارک سے پہلے خطاب کیا۔ اور پھر حضرت اقدس نے جمعۃ المبارک کے شرکا سے خطاب فرمایا۔ نماز جمعہ کے بعد حضرت اقدس نے احباب کو بیعت کے کلمات کہلوائے۔ کچھ آرام کرنے کے بعد نمازِ عصر ادا کی۔ اس کے بعد حضرت اقدس کے ساتھ استفادہ نشست ہوئی۔ اس کے بعد نمازِ مغرب ادا کی اور مجلس ذکر منعقد کی گئی۔ جس میں علاقہ بھر کے متعلقین و متوسلین اور احباب نے بھرپور شرکت کی۔ مجلس ذکر کے بعد مفتی عبدالقدیر صاحب نے ذکر کی اہمیت پر خطاب فرمایا۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے سلسلۂ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے احباب کو بیعت کے کلمات کہلوائے۔ اس کے بعد نمازِ عشا اور کھانا ہوا۔ کھانے کے بعد مفتی عبدالقدیر صاحب کے ساتھ علوم اسلامیہ کلاسز I&II کے شرکا سے طویل استفادہ نشست ہوئی۔ مفتی صاحب نے ہلکے پھلکے انداز میں دوستوں کے بہت سے سولات کے جوابات دیے۔ دریں اثنا حضرت اقدس نے سینئر احباب کے ساتھ استفادہ نشست کی اور یہ نشست رات 12 بجے تک جاری رہی۔

20 ستمبر 2014ء نمازِ فجر ادا کرنے کے بعد حضرت اقدس نے دیگر احباب کے ساتھ سلسلۂ عالیہ رائے پور کے مشائخ میں سے حضرت محمد مؤمن اخون رحمۃ اللہ علیہ (خلیفہ حضرت شیخ سید شہباز مومندؒ) کے مزار پر حاضری دی اور مراقبہ فرمایا۔ اس کے بعد پشاور میں حضرت شیخ حبیب اللہؒ (خلیفہ حضرت سید آدم بنوریؒ) اور شیخ سید شہباز مومندؒ (خلیفہ حضرت شیخ حبیبؒ) کے مزارات پر حاضری دی۔ 11 بجے مفتی عبدالقدیر صاحب کے ساتھ طویل استفادہ نشست ہوئی، جو ظہر کی نماز تک جاری رہی۔ نمازِ ظہر اور پھر کھانے کے بعد چائے کی نشست پر حضرت اقدس نے اہم ملفوظات ارشاد فرمائے۔ غیر رسمی گفتگو کے انداز میں استفادہ ہوا۔ اس کے بعد علوم اسلامیہ کلاس I کے شرکا کی حضرت اقدس کے ساتھ استفادہ نشست ہوئی۔ نمازِ مغرب کے بعد مجلس ذکر منعقد ہوئی، جس میں علاقہ بھر کے احباب و متعلقین سلسلہ نے بھرپور شرکت کی۔ اس کے بعد ذکر کی اہمیت پر حضرت اقدس نے خطاب فرمایا۔ پھر حضرت اقدس نے سلسلہ عالیہ رحیمیہ رائے پور سے وابستہ کرنے کے لیے احباب کو کلماتِ بیعت کہلوائے۔ نمازِ عشا اور عشائیے کے بعد علومِ اسلامیہ کلاس III کے دوستوں کی حضرت اقدس کے ساتھ استفادہ نشست ہوئی۔ اور اس کے بعد ادارہ رحیمیہ پشاور میں ہی آرام فرمایا۔

21 ستمبر 2014ء کو صبح 11 بجے حضرت اقدس دوستوں کے ساتھ ادارہ کے لیے جگہ دیکھنے تشریف لے گئے۔ واپس آ کر چائے کے دوران اسی موضوع پر ڈسکشن ہوئی۔ پھر نمازِ ظہر ادا کی۔ نماز کے بعد بنوں اور ڈی آئی خان کے دوستوں نے حضرت اقدس سے استفادہ کیا۔ نمازِ عصر کے بعد برینز (brains) کالج کے آڈیٹوریم میں دعوتی سیمینار کا اہتمام کیا گیا تھا۔ جس میں سب سے پہلے مولانا مفتی مختار حسن صاحب نے ''دورِ زوال میں علمائے حق کا تاریخی کردار'' کے موضوع پر اظہارِ خیال کیا۔ اس کے بعد کالج کے لان میں نمازِ مغرب ادا کی گئی اور دوستوں کی ریفریشمنٹ کا انتظام کیا گیا۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے ''سماجی تبدیلی کا قرآنی اسلوب اور عصر حاضر'' کے موضوع پر مفصل خطاب فرمایا۔ سیمینار کا اختتام حضرت اقدس کی دعا سے ہوا۔ اور بعد میں برینز کالج کے ڈائریکٹر صاحب کے ساتھ حضرت اقدس اور مفتیانِ کرام کی غیر رسمی ملاقات ہوئی۔ اس کے بعد واپس ادارہ رحیمیہ پشاور پہنچے اور نمازِ عشا کے بعد آرام فرمایا۔

22 ستمبر 2014ء کو نمازِ فجر کے بعد مانسہرہ کے لیے روانگی ہوئی۔ راستے میں نمازِ ظہر ادا کی۔ ایبٹ آباد میں تیمور خاں کی دعوت پر ان کے گھر آمد ہوئی۔ دوپہر کا کھانا کھایا اور نمازِ عصر ادا کی۔ ایبٹ آباد میں تیمور صاحب کا نکاح پڑھایا گیا۔ اس کے بعد نمازِ مغرب مسجد سیدہ امیہ میں ادا کی۔ پھر مانسہرہ پہنچ کر مسجد قبا میں نمازِ عشا ادا کی۔ اس کے بعد حضرت اقدس سے استفادہ نشست ہوئی اور پھر آرام فرمایا۔

23 ستمبر 2014ء نمازِ فجر کے بعد حضرت مفتی عبدالقدیر صاحب نے درسِ حدیث ارشاد فرمایا۔ ناشتے کے بعد تقریباً 10 بجے مفتی مختار حسن صاحب کے ساتھ دوستوں کی استفادہ نشست ہوئی۔ اس کے بعد نمازِ ظہر ادا کی گئی۔ نماز کے بعد مولانا مفتی محمد مختار حسن صاحب نے ''دینی دعوت کا طریقۂ کار'' کے موضوع پر اظہارِ خیال فرمایا۔ اس کے بعد گارنش پبلک سکول مانسہرہ میں ایک دعوتی سیمینار کا اہتمام کیا گیا تھا، جس میں سب سے پہلے مفتی عبدالقدیر صاحب نے خطاب فرمایا۔ پھر نمازِ عصر کے بعد حضرت اقدس نے خطاب فرمایا۔ نمازِ مغرب کے بعد گارنش پبلک سکول میں ہی مجلس ذکر منعقد کی گئی۔ جس میں تمام احباب و متعلقین نے بھرپور شرکت کی۔ مجلس ذکر کے بعد

www.rahimia.org

مولانا مختار حسن صاحب نے ذکر کی اہمیت پر بیان فرمایا۔ اس کے بعد نمازِ عشا ادا کی گئی اور رات کا کھانا ہوا۔ اس کے بعد حضرت اقدس کے ساتھ دوستوں کی استفادہ نشست ہوئی۔ تقریباً 12 بجے رات مسجد قبا مانسہرہ میں آرام فرمایا۔ اس کے علاوہ تمام دن حضرت اقدس سے مختلف آنے والے مہمانانِ گرامی کی ملاقاتیں جاری رہیں۔

24 ستمبر 2014ء کو نمازِ فجر کے بعد مولانا قاضی محمد یوسف (مجاز حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ) نے درسِ حدیث ارشاد فرمایا۔ 11 بجے مفتی عبدالقدیر صاحب نے ''صالح اجتماعی نظام کے قیام میں نظم وضبط کی اہمیت'' کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ نمازِ ظہر کے بعد خواتین کے لیے درسِ قرآن کا اہتمام کیا گیا، جس میں حضرت اقدس نے درس ارشاد فرمایا۔ نمازِ عصر ادا کرنے کے بعد بالاکوٹ کے لیے روانگی ہوئی۔ جہاں ایک ہوٹل میں دعوتی سیمینار کا انعقاد کیا گیا۔ جس میں دو اڑھائی سو احباب نے شرکت کی اور اس موقع پر حضرت اقدس نے ''سید احمد شہیدؒ کی جدوجہد اور ولی اللّٰہی جماعت کے کردار'' پر مفصل خطاب کیا۔ نمازِ مغرب ادا کرنے کے بعد حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے مزار پر حاضری دی۔ اس کے بعد مانسہرہ واپس آکر مسجد قبا میں نمازِ عشا ادا کی گئی۔ اور اس کے بعد مجلس ذکر منعقد ہوئی اور حضرت اقدس نے بیعت کے کلمات کہلوائے۔ رات کا کھانا ڈاکٹر محمد عاشق کی رہائش گاہ پر کھایا۔ اس کے بعد واپس مسجد قبا میں آکر آرام کیا۔

25 ستمبر 2014ء کو نمازِ فجر کے بعد ناشتہ کیا۔ اور پھر ہری پور کے لیے روانگی ہوئی۔ حضرت اقدس، سلسلے سے متعلق ایک دوست کی والدہ کے انتقال پر تعزیت کرنے ان کے گھر تشریف لے گئے۔ اس کے بعد فہیم صاحب سرائے صالح کے انتقال پر ان کے اہل خانہ سے تعزیت کی۔ سرائے صالح میں ہی جامع مسجد زکریا اور مسجد تحفظ ختم نبوت تشریف لے گئے اور مولانا غلام ربانی کے انتقال پر اُن کے صاحبزادے سے تعزیت کی۔ مدرسے کے موجودہ ناظم مولانا حبیب اللہ کی درخواست پر حضرت اقدس نے مدرسے کے طلبا سے خطاب فرمایا۔ 11 بجے حسن ابدال میں COMSATS یونیورسٹی کے ورچوئل کیمپس پر رُکے اور دعا فرمائی۔ یہ کیمپس حال ہی میں جناب طاہر حسن نے رجسٹر کرایا ہے۔ 12 بجے جامع مسجد خلفائے راشدین حسن ابدال میں حضرت اقدس کی آمد پر مقامی اور راولپنڈی و اسلام آباد کے دوستوں نے حضرت اقدس کو خوش آمدید کہا اور استفادہ نشست منعقد ہوئی۔ پھر کچھ دیر آرام کے بعد کھانا کھایا۔ 2 بجے خواتین کے لیے درسِ قرآن کا اہتمام کیا گیا، جس میں مفتی عبدالقدیر صاحب نے درس ارشاد فرمایا۔ بعد ازاں حضرت اقدس نے توبہ کے کلمات کہلوائے اور دعا فرمائی۔ اس کے بعد راولپنڈی کے لیے روانگی ہوئی۔ راستے میں واہ کینٹ میں حضرت اقدس نے مولانا قاضی محمد معین الدین کے دواخانہ پر دعا فرمائی۔ موٹر وے پر نمازِ عصر ادا کی گئی۔

6 بجے شام ادارہ رحیمیہ راولپنڈی کیمپس آمد ہوئی۔ مولانا ڈاکٹر قاری تاج افسر سمیت دوستوں نے بھرپور استقبال کیا اور پھر نمازِ مغرب کے بعد مجلس ذکر منعقد ہوئی۔ ذکر اللہ کے بعد مفتی مختار حسن صاحب نے ذکر کی اہمیت پر بیان ارشاد فرمایا۔ (بقیہ آئندہ کالم پر)

توقیر انور (گلبرگ، لاہور) FS.c

میل ملاپ معدوم ہوگیا اور یادیں رہ گئیں

بیادِ حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ

میں اپنی زندگی کے 13 برس گزارنے کے بعد جب اپنے چچا کے ساتھ ادارہ رحیمیہ لاہور میں منعقد ایک پروگرام میں پہلی بار گیا، ادارہ کے ماحول سے متاثر ہوتے ہوئے میں نے اس ماحول کے بارے میں سوال کیا۔ جواب ملا کہ یہ ماحول سلسلۂ عالیہ رحیمیہ رائے پور سے حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ سے ہمیں ملا ہے۔ اس کے بعد میں بار بار خانقاہ میں جایا کرتا اور حضرتؒ کے پاس خاموش بیٹھ جاتا۔ حضرتؒ کے اس ماحول سے سیکھی گئی خدا پرستی اور انسان دوستی کا مجھ پر چھوٹی عمر سے ہی اثر ہوگیا۔

میں ایک بار سکول کی ایک تقریب میں شامل ہوا۔ وہاں مجھے ایک موضوع ''نوجوان'' پر مضمون لکھنے کو کہا گیا۔ حضرتؒ کے اس ماحول کی وجہ سے میں نوجوان کی ذمہ داریوں اور اہمیت سے کافی آگاہ تھا۔ کیوں کہ آپؒ اکثر نوجوان کو اس کی اہمیت بڑے خلوص کے ساتھ بتایا کرتے تھے۔ خیر جب میں نے مضمون لکھا تو میرا مضمون پہلی پوزیشن کے لیے رکھا گیا۔ مہمانِ خصوصی نے میرا مضمون پڑھنے کے بعد مجھ سے ہال میں موجود سینکڑوں افراد کے سامنے دو سوال پوچھے کہ آپ نے اتنی چھوٹی سی عمر میں نوجوان کی اہمیت کو کیسے سمجھا؟ اور پھر پوچھا کہ آپ نے اپنے مضمون میں انبیاؑ کی زندگی کا نچوڑ بیان کر دیا۔ یہ آپ نے کون سی کتاب سے سیکھا؟

میں نے ان کو تو سوالوں کا جواب نہ دیا، لیکن میرے دل میں ایک آواز گونجتی رہی کہ یہ سب میں نے حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کے ماحول سے سیکھا ہے۔ اس دن سے آپؒ کے لیے دل میں محبت اور بھی بڑھ گئی۔ آج مجھے معلوم ہوگیا ہے کہ صرف حضرتؒ کے پاس بیٹھ جانے کی کتنی برکات تھیں۔

(بقیہ دورہ خیبر پختونخواہ) پھر حضرت اقدس نے بیعت کے کلمات کہلوائے اور دوستوں کے سامنے سلسلے کے وظائف اور اپنے بزرگوں کی عظمت کی اہمیت پر طویل نصیحت فرمائی۔ اس کے بعد نمازِ عشا ادا کی گئی اور پھر کھانا ہوا۔ کھانے کے بعد دوستوں نے حضرت اقدس سے استفادہ نشست کی۔ 12 بجے کے بعد آرام ہوا۔ 26 ستمبر 2014ء بروز جمعہ کو نمازِ فجر ادا کی اور ناشتے کے بعد جمعہ کی تیاری ہوئی۔ ادارہ رحیمیہ راولپنڈی کیمپس میں 12:30 بجے پہلے مفتی عبدالقدیر صاحب نے خطاب ارشاد فرمایا۔ اس کے بعد 1:30 بجے حضرت اقدس نے جمعہ کے شرکا سے خطاب فرمایا۔ نمازِ جمعہ کے بعد حضرت اقدس نے دوستوں سے بیعت کے کلمات کہلوائے۔ اس کے بعد استفادہ نشست ہوئی اور پھر دوستوں نے حضرت اقدس سے مصافحہ کیا۔ نمازِ عصر کے بعد لاہور کے لیے روانگی ہوئی۔ راستے میں جاوید حمید صاحب کی فیکٹری پر حضرت اقدس نے دعا فرمائی۔ موٹر وے پر ایک مسجد میں نمازِ مغرب ادا کی گئی۔ نمازِ عشا راستے میں ادا کی۔ رات تقریباً 11 بجے ادارہ رحیمیہ لاہور آمد ہوئی۔ اس طرح حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ کا 14 روزہ دورہ خیبر پختونخواہ تکمیل پذیر ہوا۔

''بھائی مولانا''

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ

میرے والد قیامِ پاکستان کے بعد کرنال سے سرگودھا آئے۔ جہاں میں 1949ء میں پیدا ہوا۔ 1966ء میں F.A کیا۔ دورانِ B.A لئیق راؤ (پسرِ محسن والد راؤ رفیق احمد خاں) کے ساتھ انگریزی، اردو، عربی (اوپشنل) پڑھتا رہا۔ یہ مخلص دوست اپنے پھوپھی زاد بھائی (مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ) کو ''بھائی مولانا'' کہتے تھے۔ اسی لیے میں بھی انھیں بھائی مولانا ہی تادمِ وفات کہتا رہا۔ جب کہ سب انھیں بڑے بڑے القابات سے مخاطب کرتے تھے۔ تھے بھی وہ بڑے عالم دین، لیکن عالمانہ نخوت ان میں بالکل نہیں تھی۔ انھیں اپنے والدِ محترم (حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ) کے سامنے انھیں ہمیشہ خاموش اور باادب دیکھا۔ حال آں کہ خطابت میں انھیں ملکہ حاصل تھا۔ ان کی خطابت کا جادو ہزاروں کے مجمع میں، ہزاروں کے سر چڑھ کر بولتا تھا۔

''بھائی مولانا'' کی شخصیت اور تعلیمات سے متاثر ہو کر سرگودھا کالج میں 1967ء میں لئیق بھائی نے جمعیت طلبائے اسلام کا کام منظّم کیا۔ اُس زمانے میں چین اور روس کا نام لینا کفر تھا۔ میرے ایک پڑوسی کلاس فیلو صفی حیدر کو اکثر بھائی مولانا سمجھاتے کہ اسلام اور پاکستان کو چین اور روس سے کوئی خطرہ نہیں۔ اصل خطرہ امریکا اور اُس کی سرمایہ دارانہ سیاست سے ہے۔ امریکی سامراج کی چالوں سے بچیں۔ سب پڑوسی ملکوں سے دوستی رکھنے میں ہی ہمارا فائدہ ہے۔ پر ؎

کون سنتا ہے فغانِ درویش

والد صاحب کے ڈر سے میں نے پنجاب یونیورسٹی لاء کالج لاہور میں 1968ء میں داخلہ لیا۔ وہاں ترقی پسند اساتذہ بھی یہی سمجھاتے تھے کہ امریکا آکٹوپس کی طرح ملکوں کو جکڑ لیتا ہے۔ ان حضرات نے جو جو کچھ امریکا کی استحصالی سیاست کے بارے میں اُس زمانے میں کہا، وہ سب کچھ آج ہم بھگت رہے ہیں۔ ع

بڑی باریک ہیں امریکا کی چالیں

یہ تو تھی بھائی مولانا کی سیاسی بصیرت۔ جتنے بڑے وہ عالم تھے، اتنی ہی ان میں انکساری تھی۔ مرعوب کرنا ان کا شعار نہ تھا۔ اپنے زہد، علم وسادگی سے وہ متاثر کرتے تھے۔ میں ان کا روایتی مرید نہیں۔ اُن کے حسنِ اَخلاق کی وجہ سے اُن کا عقیدت مند ہوں۔ ان کی اور دیگر بزرگوں کی دعاؤں سے مطمئن زندگی گزار رہا ہوں۔ ع

پھول بے شک آنکھ سے اوجھل ہے پھر بھی دیکھیے
اُس کی خوشبو ہر کوئی محسوس کرتا ہے یہاں

1970ء میں LL.B کر کے سرگودھا آ گیا۔ والد کے ڈر سے وکالت بھی شروع کر دی۔ حال آں کہ ابھی M.A کا داخلہ بھی نہیں بھجوایا تھا۔ پھر بھی بھائی مولانا سے درخواست کی کہ ٹیچنگ JOB کے لیے دعا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: ''M.A کا داخلہ تو بھیجو۔'' میں نے سوچا کہ امتحان دیر سے ہوں گے، اس دوران اگر کوئی JOB مل گئی تو امتحان نہ دے سکوں گا۔ اس لیے صرف دس روپے جمع کروا کے رسید ہمراہ فارم بھیج دی۔ یونیورسٹی کا لیٹر آیا کہ جب تک پوری فیس نہ دو گے، رول نمبر جاری نہیں ہوگا۔ میں لکھتا رہا کہ رزلٹ سے پہلے پوری فیس جمع کرا دوں گا بے فکر رہیں، لیکن رول نمبر نہ جاری ہوا۔ ڈیٹ شیٹ کے مطابق دو پرچے ہو چکے تھے۔ میں ایک مقدمے کی پیروی کے لیے بورڈ آف ریونیو لاہور گیا ہوا تھا۔ فارغ ہو کر یونیورسٹی چلا گیا۔ کمرے میں جو صاحب بیٹھے تھے، انھیں بتلایا کہ پیسے نہ تھے، اس لیے اُس وقت فل فیس نہ دے سکا۔ وہ پوچھنے لگے کیا اب فیس ہے؟ میں نے کہا: جی ہے۔ خدا اُن کا بھلا کرے، انھوں نے خود درخواست لکھی، خود متعلقہ افسر کے پاس گئے۔ آ کر کہنے لگے کہ جرمانہ معاف نہ ہوا ہے۔ آج اگر ایک دن اور فیس لیٹ ہو جاتی تو ڈبل فیس دینی پڑتی ہے۔ 1972ء میں جب کہ صبح کو تیسرا پرچہ تھا، جرمانہ صرف دس روپے ہوا۔ اب تو ؎

پلٹ آیا ہے پتھر کا زمانہ
درندوں کی حکومت ہوگئی ہے

رول نمبر لے کر فوراً سرگودھا پہنچا۔ اگلے دن تیسرا پرچہ دیا۔ ساتویں پرچے کے بعد پہلا اور دوسرا پرچہ ہوا۔ کیوں کہ وہ دونوں پرچے بھائی مولانا کی دعا سے بوجہ اچانک تعطیلات مؤخر ہو چکے تھے۔ اتفاق سے سیکنڈ ڈویژن آ گئی۔ رزلٹ آتے ہی اللہ کی مہربانی اور اُن کی دعا سے N.D.V.P سکیم کے تحت اُسی گورنمنٹ کالج میں لیکچرر شپ مل گئی، جہاں سے B.A کیا تھا۔

یہ سب باتیں اس لیے یاد آ رہی ہیں کہ رات خواب میں دیکھا کہ جیسے بھائی مولانا G.C سرگودھا کی مجلس میں وعظ فرما رہے ہیں اور میں کلاس روم سے مسجد میں اُن کی تقریرِ دل پذیر سننے جا رہا ہوں۔

پکارے گا بھلا اب کون مجھ کو
کوئی آواز تھی، ایسا لگا ہے

آپ کے والدِ بزرگوار شاہ عبدالعزیز رائے پوری نے شریعت اور طریقت میں اپنا ایک وقیع مقام حاصل کیا۔ تاہم بھائی مولانا نے صرف اس پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اپنی ذات کے جوہر کو تعلیم وتربیت سے سنوارا اور نکھارا اور پھر نوجوانوں کو معاشرے میں زیادہ معتبر بنانے کے لیے اُن کی تربیت وتہذیب کو عبادت سمجھ کر پورا کیا۔ تصوف میں تزکیۂ نفس اور تصفیہ پر بہت توجہ دی گئی ہے۔ جس کی وجہ سے بسا اوقات فرد راہبانہ سی زندگی اپنا لیتا ہے۔ بھائی مولانا نے شروع ہی میں اس کا ادراک کر لیا تھا۔ کیوں کہ ان کی تربیت و تہذیب کو جن خطوط پر استوار کیا گیا تھا، اس میں فرد اور معاشرے کے مابین صحت مند رشتہ قائم ودائم رکھنا ضروری تھا۔

(بقیہ صفحہ 12 پر)

از وسیم اعجاز، کراچی

جذبے نہ مٹ سکے

بیادحضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری نوراللہ مرقدہٗ
مسند نشین رابع خانقاہ رحیمیہ رائے رائے پور

چاہے بدل چکی ہو رُت ، جذبے نہ مٹ سکے
دل سے تیرے فراق کے صدمے نہ مٹ سکے
اُن کے کہے کی باز گشت آتی ہے آج تک
باتیں ابھی تلک ہیں وہ ، لہجے نہ مٹ سکے
ہم نے اُن ہی کی راہ میں آنکھیں بچھائی ہیں
جن کے خدا کے فضل سے چہرے نہ مٹ سکے
اُن کی نگاہ ناز سے دل کو قرار ہے
ہیں گفتگو میں آج بھی ، دل سے نہ مٹ سکے
تاریخ کے صفحات سے ثابت ہوا وسیم
وہ ولولے ہیں اب تلک ، جذبے نہ مٹ سکے

بقیہ: ''بھائی مولانا''

انھوں نے مسالک کے اختلافات کوحتی الامکان دین کی اساسی اقدار پر حاوی نہیں ہونے دیا۔ انھوں نے فرقہ وارانہ حوالے سے برداشت کی روایت، علمی وفکری اختلاف میں احترام کی روایت کو قائم رکھا اور سیاسی اختلاف میں وسعتِ قلبی اور وسیع النظری کو آپ ؒ نے اپنائے رکھا۔ اسی لیے آپؒ کا دروازہ ہر ایک کے لیے کھلا تھا۔ آپؒ نے ہمیشہ اتفاق واتحاد بڑھانے کی سبیل پیدا کرنے کی سعی کی۔ نوجوانوں کی تربیت پر آپؒ خصوصی توجہ فرماتے رہے۔ ان کی ہمیشہ حوصلہ افزائی کرتے۔ ان میں خود اعتمادی پیدا کی۔

میں اُسے دیکھتا سوچتا رہ گیا
اِک عجیب آدمی کون تھا؟ کون تھا!؟

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از جناب مفتی عبدالغنی قاسمی شعبہ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور
براہ راست سوالات پوچھنے کے لیے رابطہ کریں: 0321-4431184

سوال (1): محرم الحرام میں یومِ عاشورہ (دسویں تاریخ) کے روزے کی کیا حیثیت ہے؟ کیا عاشورہ کا ایک ہی روزہ رکھنا چاہیے یا دو روزے رکھنا لازمی ہیں؟

محمد شاہد، چشتیاں

جواب: محرم الحرام کی دسویں تاریخ کو روزہ رکھنا مستحب ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ: ''جو شخص یہ روزہ رکھے، اس کے گزرے ہوئے ایک سال کے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔'' البتہ دسویں تاریخ کے ساتھ نویں یا گیارہویں تاریخ کا روزہ رکھنا بھی مستحب ہے۔ صرف دسویں تاریخ کا روزہ نہیں رکھنا چاہیے۔

سوال (2): مقتدی امام کے پیچھے نماز ظہر اور عصر میں قیام کی صورت میں کیا پڑھے؟

محمد فیصل، لاڑکانہ

جواب: مقتدی کو امام کے پیچھے ثنا پڑھ کر سرّی نمازوں میں خاموش کھڑا رہنا چاہیے۔ مگر دل دل میں مقتدی سورۂ فاتحہ وغیرہ پڑھتا رہے۔

سوال (3): کیا امام کو نماز پڑھانے کے لیے امامت کی نیت کرنا ضروری ہے؟

محمد ندیم، گوجرانوالا

جواب: امام کو نماز کی امامت کی نیت کرنا ضروری نہیں۔ البتہ اگر امام امامت کی نیت کرلے تو بہتر ہے۔ اگر امام نے نماز پڑھاتے وقت امامت کی نیت نہیں کی تھی، تب بھی مقتدی کی نماز درست ہوجائے گی۔

سوال (4): قربانی کے بڑے جانوروں میں مختلف لوگ شریک ہوتے ہیں۔ کیا ذبح کے وقت تمام حصہ داروں کا وہاں موجود ہونا ضروری ہے؟ عاصم محمود، لاہور

جواب: مستحب یہ ہے کہ قربانی کے حصہ داران میں سے کوئی ایک قربانی اپنے ہاتھ سے ذبح کریں۔ یا کم از کم خود موجود ہوں۔ لیکن اگر قربانی کرنے والا خود موجود نہ ہو تو اس کی اجازت سے دوسرا شخص قربانی کرسکتا ہے۔

مجلس مشاورت

حضرت مولانا مفتی عبدالقدیر (چشتیاں)
حضرت مولانا مفتی عبدالغنی قاسمی (لاہور)
حضرت مولانا مفتی محمد مختار حسن (نوشہرہ)
حضرت مولانا صاحبزادہ عبدالقادر دین پوری (بہاولنگر)
حضرت مولانا صاحبزادہ رشید احمد (ڈیرہ اسماعیل خان)
حضرت سید مطلوب علی زیدی (لاہور)
حضرت مولانا مفتی محمد اشرف عاطف (سعودی عرب)
حضرت مولانا محمد اشرف اثر (حیدرآباد)
حضرت ڈاکٹر لیاقت علی شاہ معصومی (سکھر)
حضرت حاجی محمد بلال بلوچ (قاضی احمد)
محترم ڈاکٹر عبدالرحمٰن راؤ (سرگودھا)
محترم انجینئر آفتاب احمد عباسی (کراچی)
حضرت مولانا عبداللہ عابد سندھی (شکارپور)
حضرت مولانا پروفیسر ڈاکٹر تاج افسر (اسلام آباد)
حضرت مولانا محمد ناصر عبدالعزیز (جھنگ)
حضرت مولانا قاضی محمد یوسف (حسن ابدال)
حضرت مولانا مفتی محمد انور شاہ (کوئٹہ)
محترم سید خالد ریاض بخاری (سعودی عرب)
محترم قاری محمد ایاز جدون (مانسہرہ)

پرچہ ہر ماہ کی 3 اور 4 تاریخ کو ارسال کردیا جاتا ہے۔
ممبر شپ کی رقومات کی ترسیل بنام
''رحیمیہ لاہور'' میزان بینک قرطبہ چوک برانچ لاہور
اکاؤنٹ نمبر: 0219-0100328009 پر کریں!

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع وناشر نے
اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ، لاہور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس
33/A کوئینز روڈ، لاہور سے جاری کیا۔